© rasailojaraid.com

احسان بی اے

مولانا حنیف ندوی

دُنیائے علم میں خلا چھوڑ گئے

انا للہ و انا الیہ راجعون، میں نے دل ہی دل میں کہا۔ کیونکہ بلند آواز میں اس چھوٹے سے فقرے کے دہراتے ہوئے عجیب قسم کی ذہنی کوفت کا احساس ہو رہا تھا اور میں اپنے دل میں، خود اپنے سامنے بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر تیار نہ تھا کہ حضرت مولانا محمد حنیف ندوی انتقال کر گئے ہیں۔ یہ خبر ایک بوجھ کی طرح میرے سر پر گری تھی اور میں نے اس بوجھ کو برداشت کرنے کے لیے کسی فوری سہارے کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کی، اور قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ مولانا حنیف ندوی سے میرا دینوی تعلق صرف اتنا تھا کہ وہ معروف عالم دین تھے اور مجھے اس دین سے جو یقیناً میرے والدین کی وساطت سے مجھ تک پہنچا، لیکن جس کے ساتھ انسیت بعد کی پیداوار تھی آہستہ آہستہ میرا سرمایہ حیات بن گئی تھی۔ اس کے حوالے سے میرا دل حضرت مولانا کی طرف کھنچا اور میں حضرت کا مرید یا شاگرد تو نہیں بنا البتہ ان کے چھوٹے چھوٹے فقروں کا مداح ضرور بن گیا جو وہ گفتگو کے دوران فرماتے تھے اور جن کے ذریعے وہ علم کے بڑے چھوٹے چھوٹے تاہم بڑے ٹھنڈے اور بڑے باثمر نخلستان اپنے سامع کے دل و دماغ میں بناتے چلے جاتے تھے۔ مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم کا یہ اندازِ گفتگو کچھ ندوی صاحب تک ہی محدود تھا۔ میں نے کسی دوسرے کو اتنی مہارت کے ساتھ اس انداز میں گفتگو کرتے نہیں سُنا۔

شاید یہی اندازِ گفتگو تھا جس کی وجہ سے مولانا مرحوم اچھے خطیب اور مقرر نہیں بن پائے اور اس میدان کے شاہ سواروں میں ان کا نام شامل کرتے ہوئے کچھ تکلف سا معلوم ہوتا ہے، تاہم وہ تقریر کر لیتے تھے، اور مدلل منطقی تقریر کرتے تھے جو چٹخارے دار یقیناً نہیں ہوتی تھی۔ تاہم اس میں اتنی طاقت ضرور ہوتی کہ سننے والے کے ذہن کو اپنی طرف متوجہ رکھے اور وہ دورانِ تقریر گھر کے سودا سلف کا حساب کرنے سے گریز کرے۔ مولانا کا اصل میدان تحریر کا میدان تھا، اس میں بھی ان کا دھیما دھیما اندازِ تقریر در آتا جو مولانا کے خطبے یا ارشاد کو بوجھل تو بنا دیتا لیکن اس کی ٹھوس علمی حیثیت تشنگانِ راہِ علم کے لیے سرمایہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیات ثابت ہوتی ۔ مولانا کی کتابیں ماشاء اللہ زندہ ہیں اور ایک حلقے میں خاصی مقبول ہیں، خاص طور پر مذہب کو منطقی زاویے سے پرکھنے اور اس کی حقانیت کا دلیل اور عقل کی روشنی میں اعتراف کرنے والے حلقے میں ان کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ زندگی میں بھی دلیل و عقل کو استعمال کرنے اور دلچسپ انداز میں استعمال کر سکنے کا ہنر مولانا کا سرمایۂ حیات رہا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہنر مولانا کا اہم ترین ہتھیار تھا جس نے اُنھیں نفسا نفسی کے اس دور میں زندہ رکھا، جس دور میں بڑی مہنگی اور بیش قیمت تھی۔ اس سے جو بات واضح ہوتی ہے یہ ہے کہ مولانا مرحوم کے پسماندگان کے لیے زندگی کے احوال کچھ زیادہ دل خوش کن نہیں ہو سکتے ۔ یہ درست ہے کہ مولانا اپنی حیاتِ مستعار میں تو چکی کے دونوں پاٹوں کو متحرک رکھے رہے ہوں گے لیکن اب صورت حال میں ایسی تبدیلی یقیناً آئی ہوگی جسے دل خوش کن بہر حال نہیں کہا جا سکتا اور جہاں تک میرا تجربہ ہے مجھے ان کی کتابوں کے ناشرینِ کرام کی طرف سے یہ اُمید ہی عبث معلوم ہوتی ہے کہ وہ مولانا کی رائلٹی ادا کرنے کا ایسا طریقہ اختیار کریں گے جو اس خاندان کو زندہ رکھنے کا بہانہ مہیا کر دے۔ لیکن یہ بہر حال ایک قیاس ہے جو بہت ممکن ہے غلط ثابت ہو، بلکہ ممکن ہے سرے سے غلط ہی ہو اور مولانا نے اپنے ناشرین سے کوئی ایسا طریقِ عمل طے کر رکھا ہو جو ان کے بعد بھی کم عمر بچوں کی کفالت کا بوجھ اُٹھا سکے۔ موجودہ وقت تک یہ بات بڑی حد تک ناقابلِ یقین معلوم ہوتی ہے ۔ ایسی کوئی روایت ابھی تک ہمارے یہاں قائم ہوئی نہیں اور اگر قائم ہوئی ہے تو اس کے دائرے بہت اونچے ہیں۔ مثلاً حضرت علامہ اقبال مغفور کی کتابیں جن کی حفاظت بڑے مضبوط ہاتھوں میں ہے اور اسی طرح ایک آدھ کوئی اور مثال ہوگی ورنہ ناشرین کا مال ہوتی ہیں اور ناشر اپنی جاگیر کے طور پر ان کی حفاظت کرتا ہے ۔

بہر حال آج کے دن قلم کشوں کا تجربہ بڑا تلخ ہے اور چند خوش نصیبوں کے سوا برصغیر کی تاریخ میں قلم کشی بنیادی طور پر کارِ بے کاراں ہی سمجھی جاتی ہے اور یہی کہا جاتا ہے کہ کھاؤ گھر سے اور خدمت کرو ادب کی۔ اور ادب چیز ہی ایسی ہے کہ آپ گھر سے کھا کر اس کی خدمت کرتے رہنے میں بڑی راحت محسوس کرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ مولانا مغفور اپنی اس اکثریت سے الگ نہ تھے، اس لیے میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کے پسماندگان کے مونہہ میں اگر کبھی سونے کا چمچ تھا تو وہ نکل گیا۔ اب بچے نوجوان میدانِ عمل میں ہوں گے اور اُنھیں موجودہ دور سے ہم آہنگ ہونے کے لیے وقت کے علاوہ بھی بہت کچھ درکار ہوگا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنھیں اس بہت بڑے چیلنج کا مقابلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(مشرق ۔ لاہور ۔ ۲۴ جولائی ۱۹۸۷ء)

© rasailojaraid.com